گھریلو تشدُّد (روک تھام اور تحفظ) کا بل

Domestic violence (prevention and protection) Bill,2021

(تیسری قسط)

مفتی شعیب عالم
استاذِ جامعہ و نائب مفتی دار الافتاء

''۳:۔''گھریلو تشدُّد'': گھریلو تشدُّد سے مسئول الیہ کی جانب سے خواتین، بچوں، نادار اشخاص، یا کسی بھی دیگر شخص کے خلاف ارتکاب کردہ جسمانی، جذباتی، نفسیاتی، جنسی اور معاشی استحصال کے تمام افعال مراد ہوں گے، جس کے ساتھ مسئول الیہ گھریلو تعلق میں ہو یا رہ چکا ہو، جو کہ متضرر شخص میں خوفِ جسمانی یا نفسیاتی ضرر کا باعث بنتا ہو۔''

عربی زبان میں تشدُّد کا معنی'' قوی ہونا، سختی کرنا'' ہے۔ ہمارے عرف میں اس سے مراد جسمانی ظلم وزیادتی ہوتا ہے۔ ظلم وزیادتی اگر خاندان کے فرد پر ہو تو بل میں اسے گھریلو تشدُّد کہا گیا ہے۔ عام طور تشدُّد کا مطلب تکلیف پہنچانے کی غرض سے دوسرے کے بدن پر طاقت کا استعمال سمجھا جاتا ہے، اس وجہ سے تشدُّد سے ذہن' مار پیٹ اور زدوکوب کرنے کی طرف جاتا ہے۔ اگر کسی کو ضربِ شدید پہنچائی جائے تو اسے وحشیانہ اور بہیمانہ تشدُّد کہا جاتا ہے، اور اگر ضرب خفیف ہو تو ہلکا پھلکا تشدُّد کہتے ہیں، گویا قوت وطاقت کا استعمال تشدُّد کا لازمی عنصر ہے، مگر مذکورہ بالا تعریف کی رو سے تشدُّد صرف کسی کے جسم پر پُرتشدُّد کارروائی نہیں ہے، بلکہ تشدُّد ذ٘مالی، جذباتی، جنسی اور نفسیاتی بھی ہوسکتا ہے۔

انگریزی میں خواتین پر تشدُّد کے حوالے سے Violence against women کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ Violence کی تعریف آکسفورڈ ڈکشنری میں ایسے پرتشدُّد برتاؤ سے کی گئی ہے جو کسی کو تکلیف پہنچانے یا مارنے کی نیت سے کیا جائے۔ عالمی ادارۂ صحت قرار دیتا ہے کہ: ''جسمانی قوت اور طاقت کا ایسا دانستہ استعمال جو کسی دوسرے شخص یا گروہ کے خلاف ہو، جس کا ممکنہ نتیجہ زخم، موت یا نفسیاتی نقصان کی صورت میں ہو۔'' انسائیکلو پیڈیا آف سوشل سائنسز میں ہے کہ:

’’معاشرتی پیرائے میں تشدُّد کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ ذاتی یا اجتماعی مقاصد کے حصول کے لیے جسمانی زبردستی طریقوں کا غیر قانونی استعمال کرنا، اس تشدُّد کو عام قوت اور طاقت کے استعمال سے الگ سمجھنا چاہیے، جس کا مفہوم خالصتاً مادی ہوتا ہے اور اس کی خاص سمت اور شدت ہوتی ہے۔‘‘

اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے خواتین پر تشدُّد کی تعریف اس طرح کی ہے:

’’کسی عورت کو جنسی تفریق کی بنا پر تشدُّد کا ایسا نشانہ بنانا جس کے نتیجے میں اسے جسمانی، جنسی اور نفسیاتی اذیت پہنچی ہو یا پہنچنے کا امکان ہو۔ اس میں ایسے عمل کی دھمکی، جبر یا آزادی سے زبردستی محرومی، خواہ گھر کے اندر نجی زندگی میں ہو یا عمومی زندگی میں، شامل ہے۔‘‘(۱)

اس بل میں تشدُّد کی جو تعریف کی گئی ہے، یہی تعریف برطانیہ کے قانون میں بھی مذکور ہے۔ ملاحظہ کیجیے: Domestic Abuse Act 2021 Chapter 17, UK

کینیڈا نیو برنس وک کا قانون بھی گھریلو تشدُّد کی یہی تعریف کرتا ہے: (C-5,Chapter 2017)

ان ممالک کے قوانین میں بھی تشدُّد کو ان ہی پانچ وجوہ (جسمانی، معاشی، جنسی، جذباتی اور نفسیاتی) میں منحصر کیا گیا ہے۔ انڈیا کا قانون ’’The Protection of Women from Domestic Violence Act 2005,PWDVA‘‘ جو ۲۰۰۵ء میں نافذ ہوا ہے، اس میں بھی یہی ذکر ہے۔ حد یہ ہے کہ تعریف میں استعمال کیے گئے الفاظ (مالی، جنسی، جذباتی تشدُّد) کی تعریفات بھی ان قوانین میں مشترک ہیں۔ قانون پر عمل درآمد کا طریقہ کار بھی ان میں تقریباً یکساں ہے اور سزائیں بھی وہی تجویز کی گئی ہیں جو اس بل میں بیان کی گئی ہیں، مگر اس طرح کے قوانین کے نفاذ کے بعد بھی وہاں خواتین پر تشدُّد روز افزوں ہے۔ برطانیہ کے اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ پچھلے سال اگر دو لاکھ خواتین پر تشدُّد ہوا تو اس سال تین لاکھ چھیانوے ہزار خواتین تشدُّد کا نشانہ بنیں۔ امریکہ کے اعداد وشمار تو اور زیادہ سنگین ہیں، ہر تین میں سے ایک عورت اور ہر چار میں سے ایک مرد تشدُّد کا شکار رہا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ جو قانون مغربی تہذیب وثقافت کا آئینہ دار ہے، وہاں کے ماحول کے مطابق ہے اور قانون پر عمل درآمد کے لیے مؤثر ادارہ جاتی نظام بھی موجود ہے، وہاں یہ قانون تشدُّد کو روکنے میں ناکام ہے تو پاکستان میں یہ قانون مطلوبہ اہداف کیسے حاصل کر سکے گا؟

تشدُّد کی تعریف میں مغربی اداروں اور ملکوں کے حوالے ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ بل میں تشدُّد کو علی الاطلاق قابلِ تعزیر جرم اس وجہ سے قرار دیا گیا ہے کہ مغربی ممالک اُسے جرم قرار دیتے ہیں۔ یہ ممالک جنون کی حد تک اپنی تہذیب وثقافت کا غلبہ چاہتے ہیں، یہ خود دین دار نہ بھی ہوں، مگر اپنے دین کے بارے میں شدید تعصُّب رکھتے ہیں، اس جنون، تعصب اور سیاسی اور معاشی غلبہ کی وجہ سے یہ ہر جگہ خاص طور پر اسلامی ممالک میں اپنے کلچر کا فروغ چاہتے ہیں، کیونکہ صرف اسلام ہی ان کا حقیقی حریف ہے۔

اس بل کی رو سے تشدُّد پانچ قسم کا ہوسکتا ہے، پہلی قسم جسمانی تشدد ہے، جس کا حاصل کسی کو جسمانی اذیت دینا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

’’توضیح اول: اس دفعہ کی اغراض کے لیے:

(الف) ’’جسمانی استحصال‘‘ سے مراد تمام افعال جن کے ذریعے سے نادار شخص کو جسمانی ضرر دیا گیا ہو اور اس میں مجموعہ تعزیراتِ پاکستان کے ابواب سولہ الف، سترہ، بیس، بیس الف کے تحت تمام جرائم شامل ہیں۔ بعد ازیں جن کا حوالہ اس دفعہ میں پی پی سی (PPC) کے طور پر دیا گیا ہے۔‘‘

اس کا حاصل یہ ہے کہ ’’تعزیراتِ پاکستان‘‘ میں جسمانی ضرر کے متعلق جو جرائم مذکور ہیں، ان کو گھریلو تشدد کے جرم میں بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ آگے دفعہ ۴ میں سزا کے بیان میں قرار دیا گیا ہے کہ اگر جرم تعزیراتِ پاکستان کے تحت آتا ہو تو اسی کے تحت سزا دی جائے گی اور اگر اس کے تحت نہ آتا ہو تو اس بل کے تحت سزا دی جائے گی۔

اس دفعہ پر درج ذیل شرعی ملاحظات ہیں:

۱:- والد اور اس کی غیر موجودگی میں دادا یا وصی کو بچوں پر اور قرآن کریم کی صریح نص کے مطابق شوہر کو بیوی کے متعلق حقِ تادیب حاصل ہے، اس لیے اگر والد، دادا، یا اُن کے وصی کا عمل یا شوہر کا عمل دائرۂ تادیب کے اندر ہو تو اُسے قابلِ تعزیر جرم نہیں قرار دیا جاسکتا اور اگر تادیب اپنی حدود وقیود میں نہ ہو تو اس پر سزا کا نفاذ درست ہے۔

۲:- یہ دفعہ اپنے عموم کی وجہ سے حقِ تعلیم وتربیت کے بھی خلاف ہے۔ علم دینے کو تعلیم اور اخلاق کی درستگی کو تربیت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ از روئے شرع والدین پر اولاد کی تعلیم وتربیت کی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ تعلیم وتربیت کے لیے اگر زبانی تنبیہ وسرزنش کافی نہ ہو تو آخری چارۂ کار کے طور پر مناسب جسمانی سزا کی ضرورت پڑتی ہے۔ حدود وقیود کے اندر مناسب جسمانی سرزنش کی اجازت جس طرح والد کو ہے، اس طرح اس کے وصی کو اور پھر دادا اور اس کے وصی کو، اسی طرح معلم اور مربی کو بھی حاصل ہے۔ عقل ودانش کا تقاضا بھی یہ ہے کہ والدین یا اولیاء پر کوئی ذمہ داری عائد کی جائے تو نتائج کے حصول کے لیے انہیں درکار قوت کے استعمال کی بھی اجازت دی جائے۔

۳:- اس دفعہ میں تیسرا سقم ابہام کا ہے کہ تشدُّد کی کیفیت یا مقدار کو واضح نہیں کیا گیا ہے۔

۴:- چوتھا سقم یہ ہے کہ گھر کے سربراہ سمیت عام مسلمان کو بھی خاص شرائط کے تابع ازالۂ منکر کے لیے درکار قوت کے استعمال کا حق ہے، مگر اس دفعہ میں اسے بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے، چنانچہ اس سے لازم آتا ہے کہ معاصی کے ارتکاب پر سوائے ریاست کے کسی کو تعزیری سزا دینے کا حق

نہیں ہے، حالانکہ انہیں یہ حق حاصل ہے۔

’’(ب) ’’جذباتی، نفسیاتی اور زبانی استحصال‘‘ جہاں متضرر شخص مسئول الیہ کے ہتک آمیز یا ذلت آمیز برتاؤ کے طرزِ عمل میں مبتلا ہو اور اس میں شامل ہے، لیکن اس تک محدود نہ ہوگا۔‘‘

اس شق میں جرم کی دوسری اور تیسری قسم جذباتی اور نفسیاتی تشدُّد کا بیان ہے۔

۱:- قرآن حکیم میں ہے کہ: ’’وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا‘‘ (انسان ہر چیز سے بڑھ کر جھگڑالو ہے) ’’خَصِيمٌ مُّبِينٌ‘‘ (کھلا جھگڑالو) کے الفاظ بھی انسان کے متعلق قرآن پاک میں وارد ہوئے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی سرشت میں جھگڑے کا مادہ ہے، پھر جب غربت، جہالت اور معاشی ناہمواری اور گھریلو غیر ہم آہنگی بھی ہو تو لامحالہ کنبے کے افراد چڑچڑے پن اور بد خلقی کا شکار ہوجاتے ہیں، چنانچہ اگر گھرانہ زیورِ تعلیم سے آراستہ، تہذیب وشائستگی کا نمونہ، مالی طور پر خوشحال، نیک سیرت اور خوش خصال بھی ہو، پھر بھی افراد مختلف طبائع، متضاد خواہشات اور متنوع جذبات کے مالک ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے ساتھ رہنے بسنے کی وجہ سے ایک دوسرے کی باتوں سے ذہنی کوفت، قلبی کدورت اور دماغی تشویش ہو ہی جاتی ہے، شاید ہی کوئی گھرانہ اس سے محفوظ ہو، مگر اس قسم کی بد خلقی یا بدسلوکی کو بھی قانون کے دائرے میں لاکر قابلِ سزا قرار دے دیا گیا ہے۔ جن مغربی ممالک میں اس نوع کے قوانین رائج ہیں، وہاں بھی ہر قسم کی بدسلوکی کو قابلِ تعزیر جرم نہیں قرار دیا گیا ہے، مگر کیا کیجیے کہ! کبھی نقل، اصل سے بھی بڑھ جاتی ہے۔

۲:- یہ بل متضاد امور پر مشتمل ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ اچھے برتاؤ کا تعلق حسنِ سلوک سے ہے اور حسنِ سلوک کا تعلق اخلاقیات کے ساتھ ہے اور اخلاقیات کا مادہ قلب میں پایا جاتا ہے۔ قلب کی اصلاح کا نام تربیت ہے اور تربیت کے لیے تادیب کی ضرورت ہے اور تادیب میں ڈانٹ ڈپٹ بھی شامل ہے۔ اب اس قانون کا تضاد یہ ہے کہ ایک طرف حسنِ اخلاق کی خلاف ورزی جرم ہے جس پر سزا ہے اور سزا کا مطلب یہ ہے کہ قانون کو بد خلقی کی ضد یعنی حسنِ اخلاق مطلوب ہے، دوسری طرف حسنِ اخلاق کی تعلیم ممنوع ہے، کیونکہ تادیب ممنوع ہے اور تادیب کا مقصد حسنِ اخلاق ہی کا حصول ہے۔ تادیب کے علاوہ تعزیری سزاؤں کا مقصد بھی اصلاح وتربیت اور تہذیبِ نفس ہے۔ دراصل اسلامی سزاؤں کا مقصد صرف تخویف، عبرت آموزی اور زجر وتوبیخ نہیں، بلکہ مجرم کی اصلاح وتربیت اور اس کو ہدایت ونصیحت اس میں سرفہرست ہے، تاکہ لوگ صرف سزا کے خوف سے نہیں بلکہ خوفِ الٰہی، اس کی رضا کے حصول اور جرم سے قلبی نفرت کی وجہ سے اس کے ارتکاب سے باز رہیں، کیونکہ جرم معصیت ہے اور معصیت حدود اللہ سے تجاوز ہے اور حدود اللہ سے تجاوز اللہ پاک کے غضب اور ناراضگی کا ذریعہ ہے۔ ’’کنز‘‘ کی شرح ’’تبیین الحقائق‘‘ میں ہے کہ:

’’تعزیری سزا اصلاح وتادیب کے لیے دی جاتی ہے۔‘‘ (ج:۳،ص:۲۱۱،طبع اول ۱۳۱۳ھ)

فصول استروشنی میں ہے:

’’تعزیری سزا اصلاح وتادیب کے لیے ہوتی ہے، البتہ حد میں یہ ضروری نہیں ہے کہ تادیب مقصود ہو۔‘‘

امام ماوردیؒ ’’الأحکام السلطانیة‘‘ میں لکھتے ہیں کہ:

’’تعزیر کا مقصد تادیب، حکمت عملی اور زجر وتوبیخ ہے۔‘‘ (ج:۳،ص:۲۴۴)

۳:- جس بچے کو بری صحبت میں بیٹھنے کی وجہ سے والدین نے ڈانٹا ہو یا جس بیوی کو شوہر نے ٹوکا ہو یا جو جوان بیٹی رات گئے اجنبی شخص کی گاڑی سے اُتر کر گھر میں داخل ہوئی ہو اور باپ نے اس سے پوچھ گچھ کی ہو تو کیا اسے انسانیت سوز اور توہین آمیز برتاؤ قرار دیا جائے؟

۴:- اصطلاح ’’نفسیات‘‘ کی استعمال کی گئی ہے، مگر علم نفسیات کے اصولوں کا خیال نہیں رکھا گیا ہے۔ نفسیاتی ضرر ماہرِ نفسیات کے نزدیک یہ ہے کہ انسان اپنے روزمرہ کے معمولات انجام دینے سے قاصر ہو جائے، مثلاً ایک عورت گھر کے کام کاج اور بچوں کی پرورش ونگہداشت کا فریضہ انجام نہ دے سکے۔ صرف ذہنی کوفت اور دماغی اذیت کا مطلب نفسیاتی ضرر نہیں ہے، پھر اس کا فیصلہ کہ کوئی شخص نفسیاتی اذیت میں مبتلا ہے ماہرِ نفسیات کا کام ہے۔ کوئی عورت یا بچہ یا کوئی اور شخص خود یہ فیصلہ نہیں کرسکتا کہ وہ نفسیاتی ضرر کا شکار ہوا ہے اور نہ ہی جج یہ فیصلہ کرنے کا مجاز ہے۔

ماہرینِ نفسیات میں سے بھی سائیکاٹرسٹ (Psychiatrist) نہیں، بلکہ سائیکالوجسٹ (Psychologist) اس کا تعین کرسکتا ہے کہ مدعی ذہنی اذیت کا شکار ہے یا نہیں؟ اور صرف وہی اس کی رپورٹ جاری کرسکتا ہے۔ سائیکالوجسٹ پاکستان میں اعداد وشمار کے مطابق پانچ لاکھ افراد کے لیے ایک ڈاکٹر بھی نہیں ہے۔ سائیکالوجسٹ کو بھی مرض کا کھوج لگانے کے لیے مریض کے ساتھ کئی نشستوں کی ضرورت پڑتی ہے، جس میں بسا اوقات مریض کے اہلِ خانہ کو بھی بلانا پڑتا ہے۔ ان تمام مراحل کے بعد عین ممکن ہے کہ مدعی کسی اور وجہ سے ذہنی اُلجھن اور نفسیاتی عارضہ کا شکار ہو جس میں احساسِ محرومی، خوف، فکرمندی وغیرہ شامل ہو سکتے ہیں۔

’’(اول) حسد یا رقابت میں مبتلا رکھنے کا متواتر مظاہرہ کرنا جو ستم رسیدہ کی خلوت، آزادی، اخلاقی بلندی اور سلامتی پر متواتر چڑھائی کا باعث بن رہا ہو۔‘‘

یعنی اولاد یا خاندان کا کوئی اور فرد نجی زندگی میں کیا کرتا ہے، کیا پہنتا ہے، کہاں اُٹھتا بیٹھتا ہے، کن لوگوں سے میل ملاقات رکھتا ہے، کیا مشاغل اور کیا ارادے ہیں، سربراہ کو اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے، اس لیے کہ آزادی اور خلوت میں دخل اندازی ہے۔ جوان بیٹا باپ ہی کے گھر میں دیگر خواتین کی موجودگی میں کسی غیرمحرم خاتون کے ساتھ خلوت میں ہے تو کسی کو پوچھنے، روکنے یا ٹوکنے کی

اجازت نہیں ہے، کیونکہ خلوت میں بے جا دخل اندازی ہے ۔ إنا للہ

’’(سوم) دھمکی دیتا ہو جو زوجہ یا شراکت شدہ گھر کے دیگر اراکین میں فطری تکلیف کا باعث بنتا ہو ۔‘‘

دھمکی اگر ناحق نہ ہو تو نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے ۔ قرآن حکیم میں کثرت سے وعیدیں ذکر ہیں اور ’’انذار وتبشیر‘‘ اس کا خاص اسلوب ہے ۔ ہماری مقننہ اس بارے میں کیا رائے رکھتی ہے؟

انبیاء کرام علیہم السلام جب دعوت واصلاح کا کام شروع کرتے ہیں تو بعض طبائع کو سخت ناگوار گزرتا ہے، یہاں تک کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے قتل کے بھی مرتکب ہوجاتے ہیں تو کیا نیکیوں کی ترویج اور برائی کی روک تھام کو اس وجہ سے چھوڑ دیا جائے کہ سرکش طبائع کو ناگوار گزرتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ نیک خصلت کو برائی سے نفرت ہوتی ہے تو بدخصلت کا بھی نیکی سے دم گھٹتا ہے، مگر صرف اس وجہ سے اصلاح وتذکیر کو نہیں چھوڑا جاسکتا کہ کج طبیعت کے لیے تکلیف کا باعث ہے ۔ بعض اوقات اصلاحِ حال کے لیے تخویف کی تدبیر سے کام لینا پڑتا ہے، مگر اسے دھمکی نہیں بلکہ علاج تصور کیا جاتا ہے ۔ اسی حکمت کے تحت مختلف قوانین میں سزاؤں کا ذکر ہوتا ہے جو دراصل دھمکیاں ہی ہوتی ہیں، مگر قانون ساز کبھی بھی اُسے خلافِ مصلحت یا عقل نہیں قرار دیتے ہیں ۔

الغرض اگر گھر کے دو چار افراد معاصی میں مبتلا ہوں اور گھر کا کفیل انہیں ڈراتا دھمکاتا ہے اور نتائج بد سے آگاہ کرتا ہے یا لڑکا بری صحبت میں بیٹھتا ہے، نشہ کرتا ہے، جوا کھیلتا ہے اور باپ اسے خرچ بند کرنے یا گھر میں محبوس رکھنے کی دھمکی دیتا ہے تو دین ودانش کی رو سے اُسے غلط نہیں قرار دیا جاسکتا ہے ۔

’’(چہارم) دیوانگی یا ناپیداواری کے بے بنیاد اتہام پر طلاق دینے یا دوسری شادی کرنے کی دھمکی دیتا ہو ۔‘‘

سوال یہ ہے کہ: ۱:- جب طلاق دینا جرم نہیں ہے تو بانجھ پن یا دیوانگی کی وجہ سے طلاق کی دھمکی کیسے جرم ہوسکتی ہے؟

۲:- اگر کسی کو طلاق کی دھمکی دینے کا حق نہیں ہے تو اسے طلاق دینے کا حق بھی نہیں ہونا چاہیے، حالانکہ طلاق کا حق تو شوہر کو شرعاً اور قانوناً حاصل ہے ۔

۳:- اگر شوہر کو طلاق دینے کا حق نہیں ہے تو اسے دوسرے نکاح کی اجازت ہونی چاہیے ۔ اگر دوسرا نکاح جرم ہے تو قانون نے مشروط ہی سہی اس کی اجازت کیوں دی ہے؟

۴:- فرض کیجیے کہ شوہر کے بجائے بیوی کی طرف سے شوہر کو دھمکی ہو، مثلاً وہ دھمکی دے کہ وہ شوہر کا گھر چھوڑ جائے گی یا وہ بذریعہ عدالت خلع حاصل کرلے گی یا نکاح فسخ کردے گی تو اسے جرم نہیں قرار دیا گیا ہے، اسی طرح اگر شوہر نے بیوی کو حقِ طلاق تفویض کیا ہو اور بیوی اس حق کو استعمال میں لانے کی دھمکی دیتی ہو تو اُسے بھی جرم نہیں کہا گیا ہے ۔ اس طرح یہ دفعہ عدمِ مساوات پر مبنی

ہے، حالانکہ آئین قرار دیتا ہے کہ شہریوں سے بلاتفریقِ جنس وصنف یکساں سلوک کیا جائے گا اور قانون کا نفاذ سب پر مساوی ہوگا۔

۵:- اگر بیوی شوہر کا گھر چھوڑ جائے تو شوہر کو اعادہ حقوقِ زن شوئی کے تحت عدالت سے دادرسی کا حق ہے، مگر وہ قانون کتنا مؤثر ہے اور اس کے نتائج کیا ہیں؟! دنیا اس سے واقف ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر بیوی اندرونِ خانہ ایسا رویہ رکھتی ہے جو صرف حسنِ معاشرت ہی کے خلاف نہ ہو، بلکہ اس سے مقاصدِ نکاح بھی فوت ہوتے ہوں تو قانون میں شوہر کے لیے کیا دادرسی ہے؟

۶:- فاتر العقلی، پاگل پن اور بانجھ پن کے بے بنیاد الزامات اگر شوہر کی طرف سے قابلِ سزا ہیں تو عورت کی ساری طاقت سمٹ کر اس کی زبان میں جمع ہوجاتی ہے اور وہ زبان سے تیز خنجر کا کام لیتی ہے۔ کیا اس کے بے بنیاد اتہامات، سنگین الزامات اور ناروا اقدامات پر کوئی سزا تجویز کی گئی ہے؟ یا فرض کرلیا گیا ہے کہ قصوروار ہمیشہ مرد ہی ہوتا ہے۔

''(پنجم) شراکت شدہ گھر کی عورت یا کسی بھی رکن کے کردار پر جھوٹا الزام لگا رہا ہو۔''

اس دفعہ میں کئی وجوہ سے کلام ہے: اول: اس کے لیے قانونِ قذف موجود ہے۔

دوم: اگر عورت کے کردار پر سنگین الزام ہو تو اس کے لیے لعان کی کارروائی ہے۔

سوم: قانون' یکطرفہ، امتیازی اور جانب داری پر مبنی ہے۔ اگر یہی طرزِ عمل عورت کی جانب سے ہو تو قانون میں اس کا کیا سدِ باب کیا گیا ہے؟

چہارم: سربراہ کو اگر فیملی کے رکن کے متعلق کردار کی پستی کا علم ہوجائے اور وہ اس مقصد سے اس کے سامنے اس کا اظہار کردے، تاکہ وہ دوبارہ اس کے ارتکاب سے باز رہے تو اس سے کوئی شرعی محظور لازم نہیں آتا ہے۔ رہا ثبوت! تو عائلی زندگی میں ایسے اُمور کے عدالتی ثبوت نہیں تلاش کیے جاتے، بلکہ شرفاء بیرونِ خانہ اس کا اظہار بھی ناپسند کرتے ہیں۔

''(ششم) متضرر شخص کی جان بوجھ کر یا غفلت سے عدم خبر گیری کرتا ہو۔''

یہ شق دانستہ یا غیر دانستہ بے توجہی برتنے اور لاپرواہی کرنے کے بیان میں ہے، مثلاً: چھوڑ جانا، دیکھ بھال نہ کرنا، مناسب خوراک و پوشاک یا محفوظ رہائش فراہم نہ کرنا وغیرہ۔ اس شق میں کئی خامیاں ہیں، مثلاً:

۱:- جس شخص کو خبر گیری نہ کرنے پر سزا دی جارہی ہے، کیا خبر گیری اس کی ذمہ داری بھی ہے؟ ایک شخص الف کے ساتھ اس کی رضاعی، سوتیلی اور منہ بولی اولاد بھی رہائش پذیر ہے، ان میں سے کسی کی خبر گیری نہ کرنے پر الف سزا کا مستوجب نہیں ہے، کیونکہ ان کی خبر گیری الف کے فرائض میں شامل نہیں ہے۔ الغرض اس قانون کی نظر میں وہ شخص بھی قانون شکن ہے، جس پر قانون کی تعمیل واجب ہی نہیں ہے۔

۲:- کینیڈا وغیرہ ممالک میں خاندان کے ایک فرد کو دوسرے فرد کی دیکھ بھال کا فرض یا ڈیوٹی ٹو کیئر (Duty to care) کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے اور ریاست اسے اخراجات اور دیکھ بھال کا معاوضہ بھی فراہم کرتی ہے۔ ایسا شخص اگر ذمہ داری کی ادائیگی میں غفلت برتتا ہے یا ناکام رہتا ہے تو اسے جرم گردانا جاتا ہے۔ ہمارے قانون سازوں نے ان کی نقل میں بے توجہی کو جرم تو قرار دے دیا ہے، مگر یہ دیکھنا گوارا نہیں کیا کہ وہاں ریاست لاپرواہی کو کب جرم قرار دیتی ہے۔

۳:- غفلت کی معمولی سے لے کر شدید تک کئی قسمیں ہیں۔ مغربی ممالک میں بھی ان میں سے ہر صورت جرم نہیں ہے، مگر یہ بل علی الاطلاق ہر قسم کی بے توجہی کو جرم قرار دیتا ہے۔

۴:- اس شق میں Abandonment (عدم خبرگیری، ترک، دست برداری) کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ عائلی قوانین میں اس کا مطلب یہ ہے کہ زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے کو بحالت عدم خبرگیری چھوڑ دے۔ اگر والدین میں سے کوئی یا بچے کا محافظ بچے کو قطع تعلق کی نیت سے کسی جگہ ڈال دے یا چھوڑ دے تو Child abandonment ہونے کی وجہ سے یہ بھی قانوناً جرم ہے۔

از روئے شریعت اگر شوہر بیوی کی خبرگیری نہیں کرتا ہے تو اسے نفقہ کے حصول کا حق ہے، اور اگر اس کے ساتھ سکونت کر کے غائب ہو جاتا ہے تو وہ نالش دائر کر کے نکاح منسوخ کر سکتی ہے، لیکن جب کسی کی کفالت وحفاظت واجب نہ ہو تو اس سے بے توجہی برتنا قابلِ سزا جرم بھی نہیں ہے۔

۵:- اگر لڑکے یا لڑکی کی حضانت کسی پر واجب ہے اور وہ حضانت سے غفلت برتتا ہے تو حقِ حضانت دوسرے قریب تر رشتہ دار کو منتقل ہو جاتا ہے، مگر اسے جرم مستوجبِ تعزیر قرار دینا درست نہیں۔ اصل میں حضانت ایک رضاکارانہ عمل ہے، البتہ جب کوئی اور اس ذمہ داری کو اُٹھانے والا نہ ہو یا ہو مگر اہلیت نہ رکھتا ہو تو پھر قریب تر رشتہ دار پر اس کا وجوب عائد ہو جاتا ہے۔

۶:- اگر لڑکا سات سال اور لڑکی نو سال سے زائد کی ہے تو قریب تر ولی پر اس کی کفالت واجب ہے اور ولی کو بزور وجبر کفالت پر مجبور کیا جائے گا، لیکن اگر کوئی شخص شرعی ولی نہیں ہے تو اسے مجبور کیا جا سکتا ہے نہ ہی سزا دی جا سکتی ہے۔

۷:- جن لوگوں کی ضروریات کی فراہمی کسی شخص پر واجب ہو اور وہ اس میں ناکام نہ رہتا ہو، مگر کسی فرد کی طرف فطری میلان یا قلبی رجحان نہیں ہے تو اسے لاپرواہی سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

۸:- بعض اوقات بے توجہی بلکہ لاتعلقی ضروری ہو جاتی ہے، مثلاً کسی فرد کے برے افعال کی وجہ سے اگر سربراہِ خانہ یا تمام اہل خانہ اس سے لاتعلقی اختیار کرتے ہیں تو اسے عدم خبرگیری قرار دے کر قابلِ سزا جرم نہیں گردانا جا سکتا۔ بہت دفعہ شریعت یہ تجویز کرتی ہے کہ کسی سے معاشرتی بائیکاٹ کر لیا جائے۔ نصوصِ شرع میں نہ صرف اس کی اجازت ہے، بلکہ بسا اوقات ایسا شرعی وجوب کی

صورت اختیار کر جاتا ہے۔

۹:۔ اگر فیملی کے ایک ممبر نے پوری فیملی کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے اور اس وجہ سے فیملی اس کا بائیکاٹ کرتی ہے تو کیا پوری فیملی کو سزا دی جائے گی؟ اگر سب کو جرم کا مرتکب قرار دیا جائے تو حقیقی مجرم گھر میں اور مظلوم فیملی پوری کی پوری جیل میں ہوگی اور اگر سب کو قید و بند کے ساتھ جرمانے کی سزا بھی دی جائے تو فیملی دیوالیہ اور حقیقی مجرم کے وارے نیارے ہو جائیں گے۔

اگر صرف فیملی کے سربراہ کو سزا دی جائے گی تو قانون کے یکساں نفاذ کا آئینی اصول فوت ہوتا ہے اور یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ اس بل کے حملوں کا ہدف خاندان کا سربراہ ہی کیوں ہے؟!۔

حقوقِ نسواں تحریک کی نظر میں تشدُّد کا ذمہ دار خاندان ہے، اس لیے خاندان کو ختم ہونا چاہیے۔ خاندان اس وقت ختم یا کمزور ہوگا جب اس کے مرکزی ستون کو گرا دیا جائے گا۔ خاندان کا مرکزی ستون سربراہ خاندان ہوتا ہے، اس وجہ سے اس بل کی دفعات کا خاص نشانہ سربراہ ہے، تاکہ حملوں کی تاب نہ لاکر یا تو وہ خود ہی سربراہی سے تائب ہو جائے یا وہ برائے نام سربراہ رہ جائے۔ دونوں صورتوں میں حملہ آوروں کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔

۱۰:۔(الف) یہ بل تضادات کا مجموعہ ہے۔ ایک طرف یہ خاندان کے ادارے کو غیر مستحکم کرتا ہے تو دوسری طرف اسی ادارے سے زبردستی خیر کا طالب ہوتا ہے، مثلاً: اس پر ان افراد کی خبر گیری بھی ضروری ہے جو شریعت میں اس پر واجب نہیں ہے اور اس کی معاشی کفالت بھی ضروری ہے، حالانکہ سوائے بیوی کے ہر شخص اپنے اخراجات کا خود ذمہ دار ہے، بشرطیکہ مالدار ہو اور اگر مالدار نہ ہو مگر لڑکا ہو اور کمانے کے قابل ہو تو اس کا نفقہ باپ پر واجب نہیں ہے۔ نفقہ میں صرف جیب خرچ ہی نہیں بلکہ نفقہ غذائی ضروریات، رہائش اور لباس و پوشاک سب کو شامل ہے۔

(ب) ایک طرف یہ بل کسی بلند اخلاقی معیار کے نہ ہونے پر سزا دیتا ہے تو دوسری طرف اخلاقی بلندی کے حصول کا ہر راستہ بند کرتا ہے۔

(ج) ایک طرف ذمہ دار کی حیثیت (منصبِ قوّامیت) کی نفی کرتا ہے اور قوّام کو اختیارات سے محروم کرتا ہے، مگر اس کے نتیجے میں اگر افرادِ خانہ سے کوئی جرم وقوع پذیر ہو جائے تو قوّام (سربراہ) کو ہی موردِ طعن اور مستوجبِ سزا قرار دیتا ہے۔

مصادر و مراجع

۱:۔ اصطلاحی تعریفات کے لیے ملاحظہ کیجیے: خواتین پر تشدُّد، اسلامی اور قانونی نقطہ نظر، جہات الاسلام، جلد: ۱۳ (جولائی، دسمبر ۲۰۱۹ء) شمارہ: ۱، ص: ۱۶۱۔

(جاری ہے)